سندھ میں غیرت کے نام پر قتل کو کاروکاری کہا جاتا ہے

کاروکا مطلب "سیاہ مرد" اور کاری کا مطلب "سیاہ عورت"

سائرہ زکریا

مرا درد نغمہ بے صدا
مری ذات ذرہ بے نشاں
مرے درد کو جو زباں ملے
مجھے اپنا نام و نشاں ملے
مری ذات کو جو نشاں ملے
مجھے راز نظم جہاں ملے
مجھے کائنات کی سروری
مجھے دولت دوجہاں ملے

کاروکاری کی رسم پاکستان کے ہر صوبے' ہر علاقے اور ہر طبقے میں کسی نہ کسی شکل میں موجود ہے جس کے تحت ظلم' مار کٹائی اور قتل کیا جاتا ہے بلکہ ایسے اقدامات کو قابل فخر بھی سمجھا جاتا ہے۔ اس میں زیادہ تر عورتیں بھینٹ چڑھتی ہیں اور مرد بچ جاتے ہیں۔ غیرت کے نام پر قتل کو مختلف علاقوں میں مختلف نام دیا جاتا ہے۔ مثلاً سندھ میں اس طرح کہ قتل کو کاروکاری کہا جاتا ہے۔ کارو کا مطلب "سیاہ مرد" اور کاری کا مطلب "سیاہ عورت" ہوتا ہے۔ پنجاب میں کالا اور کالی کہا جاتا ہے۔ یہ تمام قتل کلہاڑی سے یا پھر پستول کی مدد سے کیے جاتے ہیں۔

اگر ہم کاروکاری کی تاریخ پر نظر ڈالیں تو پتہ چلتا ہے کہ سب سے پہلے یہ رسم سندھ کے ان علاقوں میں شروع ہوئی جو بلوچستان کی سرحد پر واقع ہے چونکہ اس رسم کا بنیادی تعلق بلوچستان سے ہے' جہاں لوگ نسل در نسل اس کا شکار ہوتے چلے آئے ہیں۔ جیکب آباد اور لاڑکانہ کے بعد خیر پور اور سکھر میں اس رسم کا رواج زیادہ ہے۔ اس کے علاوہ پیر جو گوٹھ اور گڑھی خیر واس لعنت کا مرکز ہیں۔

بظاہر تو کاروکاری کی بڑی وجہ یہ ہے کہ جب کوئی باپ' بھائی یا بیٹا گھر کی عورت کو قابل اعتراض حالت میں دیکھ لے تو اسے کاروکاری یا سیاہ کاری قرار دے کر قتل کر دیتے ہیں۔ اس فعل کو غیرت کا نام دیا جاتا ہے۔ اس قتل میں صرف کاروکاری' سیاہ کاری کا بہانہ کیا جاتا ہے بلکہ حقیقت تو یہ ہوتی ہے کہ جب دو خاندانوں کا کسی بات پر جھگڑا ہو تو مخالف خاندان کے مرد کو مار دیا جاتا ہے۔ گھر آکر اپنے گھر کی کسی عورت کو کاری قرار دے کر قتل کر دیا جاتا ہے تاکہ قانونی کارروائی سے بچا جاسکے۔ قتل کرنے کے بعد اکثر یہ ہوتا ہے کہ لڑکی کے گھر والے لاش کو ہاتھ نہیں لگاتے بلکہ لڑکے کے گھر والے دور مقام پر دریا یا جنگل میں دو قریب قریب گھڑے کھود کر لاش کو پیروں سے گھسیٹ کر کھڈوں میں ڈال دیتے ہیں۔ نہ ہی ان کو غسل دیا جاتا ہے نہ ہی ان کو کفن پہنایا جاتا ہے اور نہ ہی نماز جنازہ ادا کی جاتی ہے۔ اکثر علاقوں میں عورت کو قتل کرنے کے بعد اس کے جسم کو ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے اور پھر ان ٹکڑوں کو دریاؤں میں بہا دیا جاتا ہے۔ برادری کا کہنا یہ ہوتا ہے کہ کاری عورت کو زمین میں قبر جتنی جگہ بھی نہ ملے۔ یہ قتل صرف فرقہ وارانہ' ذاتی یا خاندانی دشمنی کی بنا پر ہی نہیں ہو رہے بلکہ یہ قتل غیرت کے نام پر بھی ہو رہے ہیں۔ غیرت کے نام پر قتل میں خواتین کا نام لیا جاتا ہے کہ ایک عورت کی وجہ سے کسی مرد کی عزت پر حرف آیا۔ کسی بھی مرد کو صرف اپنی عزت سے پیار ہوتا ہے۔ وہ اپنی عزت پر کسی قسم کا حرف آنے نہیں دیتا ہے' چاہے اسے اپنی بیوی' بیٹی' بہن یا ماں کو مارنا ہی کیوں نہ پڑے لیکن وہ کبھی بھی اپنی جھوٹی انا کو نہیں مار سکتا۔ مرد کے اندر سوچنے سمجھنے کی صلاحیت اس وقت ختم ہو جاتی ہے جب غیرت کا نام آجائے۔

سینکڑوں خواتین ہر سال اس الزام میں قتل کر دی جاتی ہیں جن میں تین سال سے لے کر 80 سال تک کی بوڑھی عورتیں شامل ہوتی ہیں۔ اکثر یہ بات دیکھنے میں آئی ہے کہ کاری کا الزام لگنے کے بعد عورت نہیں بچتی۔ اگر بچ بھی جائے تو اسے علاقے کے بااثر وڈیرے کے گھر بھیج دیا جاتا ہے۔ وہ عورت وڈیرے کے گھر نوکروں سے بدتر زندگی گزارتی ہے۔ اس کا اپنی زندگی پر کوئی اختیار

پنجاب میں زیادہ ہے۔ کاروکاری ہمارے معاشرے کو تباہ کرنے والا ایسا فعل ہے جس نے عورت کی پاک ہستی کو گناہ گاروں کی فہرست میں شامل کر دیا ہے۔ نیز اسے اپنے بنیادی حقوق سے محروم کرنے کی سازش کا ایک حصہ بنا دیا ہے۔ افسوسناک امر یہ ہے کہ غیرت و عصمت کا اطلاق مردوں اور عورتوں پر مساوی نہیں ہوتا۔ عام طور پر عورتیں اپنے بدکار شوہروں کو ہلاک نہیں کرپاتیں اور نہ ہی اپنے معاشرے میں مردوں کو اپنی بیویوں تک محدود رہنے کی بات کرتی ہیں جبکہ دوسری طرف مرد اپنی وجوہات کی بنا پر انہیں قتل کر دیتے ہیں۔

ہمارے معاشرے میں انسانی زندگی کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔ ایک انسان دوسرے انسان کو اس طرح قتل کرتا ہے جیسے کوئی مشین لکڑی کاٹ رہی ہو۔ پاکستان میں اس طرح کے قتل کو معمولی بات سمجھ کر ذہن سے نکال دیا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے اس طرح کے قتل میں مزید اضافہ ہو رہا ہے۔ انسان اس وقت ایک وحشی درندہ بن جاتا ہے۔ غیرت کے نام پر قتل بھی اسی جہالت کی نشانی ہے جو نہ صرف ہماری سماجی پسماندگی کا باعث ہے بلکہ ہماری قومی ترقی کے لیے رکاوٹ ہے۔

غیرت کے نام پر قتل کی کئی وجوہات ہیں جس کی بنا پر مظلوم و بے گناہ لوگوں کو اس رسم کی بھینٹ چڑھا دیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر کسی مخالف گروپ سے بدلہ لینے کے لیے مرد اپنی بیٹی' بہن' بیوی کو کاری کا نام دے کر قتل کر دیتا ہے پھر مخالف گروپ میں کسی مرد کو کارو قرار دے کر قتل کر دیتا ہے اور اس طرح دشمنی کا بدلہ لیا جاتا ہے۔ دوسری اہم وجہ جائیداد بچانا ہے یعنی کسی گھر کی کسی لڑکی کی شادی ہو رہی ہے اور اسے جائیداد کا حصہ بھی دینا پڑے تو اس صورت میں عورت کو کاری کا نام دے کر قتل کر دیا جاتا ہے۔ شک بھی کاروکاری کے واقعات میں بڑی وجہ ہے۔ اگر کوئی لڑکا لڑکی کھڑے نظر آجائیں تو ایک ہی وجہ ان کے ذہن میں آتی ہے کہ ان کے آپس میں ناجائز تعلقات ہیں جو ان کی عزت پر دھبہ ہیں اور اس کی بنا پر ان کو قتل کر دیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ کسی نے طعنہ دے دیا کہ "پہلے اپنا گھر سنبھالو" تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ گھر کی کسی عورت کے کسی مرد کے ساتھ ناجائز تعلقات ہیں۔ اب اس شخص کو اپنی غیرت کو ثابت کرنے کے لیے گھر کی کسی نہ کسی عورت کو قتل کرنا ضروری ہے۔ اس کے علاوہ لڑائی' جھگڑے کے دوران کوئی مر جاتا ہے تو قاتل اپنے گھر کی کسی عورت کو قتل کر دیتا ہے تاکہ ہرجانہ ادا کرنے سے بچ سکے۔ حد تو یہ ہے کہ اگر کوئی مرد خواب میں اپنی بیوی کو کاری دیکھ لے تو اسی بنا پر بھی قتل کر دیا جاتا ہے۔ یہ ایک وحشیانہ رسم ہے جس میں عورت کی زندگی کو کاروکاری کے نام پر ختم کر دیا جاتا ہے۔ عورتیں تکالیف کی زنجیروں میں بندھی ہوئی ہوتی ہیں۔ تمام عورتوں کی کہانی تقریباً ایک ہی طرح کی ہوتی ہے۔ صرف نام اور حالات بدل جاتے ہیں۔ غیرت کے نام پر قتل کی رسم اب قبائلی علاقوں سے نکل کر پڑھے لکھے خاندانوں میں بھی پہنچ چکی ہے جس کی زندہ مثال سمیعہ سرور کا قتل ہے جو بہت پڑھے لکھے گھرانے سے تعلق رکھتی تھی۔ سمیعہ کو اپریل 1999ء میں کاروکاری کی رسم کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔

انسانی حقوق کی عالمی تنظیم ایمنسٹی انٹرنیشنل کی رپورٹ برائے 2000ء کے مطابق' پاکستان ان ممالک میں صف اول میں شمار ہوتا ہے جہاں خواتین کے حقوق کی پامالی عروج پر ہے اور جب خواتین اپنے حقوق کے لیے جدوجہد کرنا چاہتی ہیں تو ان کے خلاف طرح طرح کے غیر اخلاقی اقدامات کیے جاتے ہیں یہاں تک کہ عزت و غیرت کے نام پر انہیں قتل کر دیا جاتا ہے۔

2000ء سے لے کر 2002ء تک

کاروکاری کے مقدمات پر ایک نظر

کراچی میں مرکز ابلاغ برائے اطلاعات و تحقیق کے مطابق 2001ء میں 56 مرد اور 176 خواتین کو قتل کیا گیا۔ مذکورہ واقعات میں 28 فیصد خواتین اپنے شوہروں کے ہاتھوں' 12 فیصد اپنے بھائیوں کے ہاتھوں اور 6 فیصد دیگر مرد رشتے داروں اور بیٹوں کے ہاتھوں اور باقی نامعلوم افراد کے ہاتھوں قتل ہوئیں اور بچوں کا قتل پانچ فیصد ہوتا ہے۔ ان واقعات میں 82 فیصد عورتوں کو گولی مار کر ہلاک کیا گیا جبکہ کچھ کو گلا گھونٹ کر اور کچھ کو تیز دھار آلے کی مدد سے قتل کیا گیا۔ مردوں کا قتل عورتوں کے مقابلے میں ایک تہائی ہوتا ہے۔

2002ء میں سندھ میں کاروکاری کے 123 واقعات رونما ہوئے۔ پنجاب 409' بلوچستان میں 117 اور سرحد میں 112 واقعات رونما ہوئے۔

آئین کے آرٹیکل 23 کے تحت مرد اور خواتین برابر کا درجہ رکھتے ہیں: سابق جج جسٹس ناصر اسلم زاہد

سپریم کورٹ کے سابق جج جسٹس ناصر اسلم زاہد نے 2001ء میں "غیرت کے نام پر قتل" کے موضوع پر لاہور میں منعقدہ ایک سیمینار میں کہا تھا: "عدالتوں کو یاد رکھنا چاہیے کہ آئین کے آرٹیکل 25 کے تحت' قانون کی نظر میں مرد اور خواتین برابر کا درجہ رکھتے ہیں۔ مرد جج اکثر متاثرہ خاتون کے طبقاتی معاملات سے ناواقف ہوتے

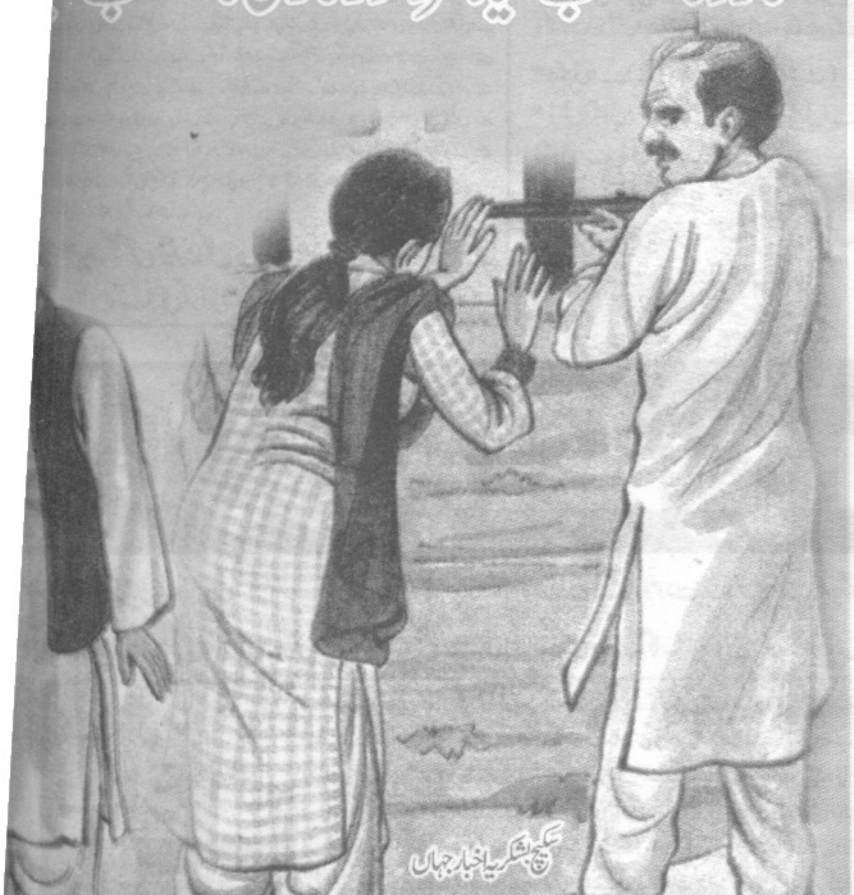

کی انسانی حقوق کی تنظیم ہیومن واچ نے مطالبہ کیا تھا کہ جب امریکہ کے وزیر خارجہ پاکستان جائیں تو حکومت سے غیرت کے نام پر خواتین کے بڑھتے ہوئے قتل عام اور زیادتی کے معاملے پر ضرور بات چیت کریں۔ امریکی وزیر خارجہ کولن پاول نے اپنے دورہ پاکستان میں حکومت سے اس مسئلے پر بات چیت کی یا نہیں' اس کا تو علم نہیں ہو سکا' تاہم کاروکاری کا مسئلہ ہو یا زیادتی کا معاملہ' ان کا خاتمہ کب ہو گا؟ اس سوال کا جواب شاید کسی کو نہیں معلوم کیونکہ ان واقعات میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔

رت کے
کو
جاتا ہے

ب "سیاہ عورت" ہے

المناک واقعات

میں
میں

...ی جانے والے علاقے کے بااثر وڈیرے کے گھر بھیج دیا جاتا ہے۔ وہ عورت وڈیرے کے گھر نوکروں سے بدتر زندگی گزارتی ہے۔ اس کا اپنی زندگی پر کوئی اختیار نہیں ہوتا۔ وڈیرے کے گھر والے اس عورت کے ساتھ ہر طرح کی زیادتی کرتے ہیں۔ جس میں جنسی زیادتی بھی ہوتی ہے یا پھر عورت کو بہت دور کے علاقے میں بھیج دیا جاتا ہے۔ سندھ کے ایک زمیندار کے مطابق ایک لڑکی کو ایک لاکھ ساٹھ ہزار روپے تک میں فروخت کر دیا جاتا ہے۔ ایک زمانے میں بدکاری کے الزام میں لڑکی کو قتل یا فروخت کرنے کا فیصلہ سردار کیا کرتا تھا' لیکن اب یہ اختیار ہر ایک استعمال کر رہا ہے۔

مارچ 2001ء میں بی بی سی نے ایک خصوصی رپورٹ میں بتایا تھا کہ پاکستان میں غیرت کے نام پر قتل کے رجحان کے ساتھ اب ان کی خرید و فروخت میں بھی اضافہ ہو رہا ہے۔ یہ رجحان بلوچستان' شمالی سندھ اور

کاروکاری کے مقدمات پر ایک نظر

غیرت کے نام پر جو قتل کیے جاتے ہیں ان کی اصل تعداد کا تعین کرنا مشکل ہے کیونکہ ایسی بہت سی ہلاکتوں کی رپورٹ درج نہیں ہوتی۔ نیز ایسے واقعات میں پولیس قتل کرنے والے خاندان سے پیسے لے کر اسے غیرت کا معاملہ قرار دیتی ہے اور مقدمہ درج نہیں ہوتا۔ کاروکاری کے واقعات جو نہ جانے کب سے رونما ہوتے چلے آ رہے ہیں' اطلاعات کی کمی کی وجہ سے لوگوں کی توجہ کا مرکز نہیں بن سکے۔ ایچ آر سی پی نے 2000ء میں غیرت کے نام پر سینکڑوں ہلاکتیں ریکارڈ کی ہیں۔ صوبہ پنجاب میں 2000ء کے دوران 407 خواتین قتل ہوئیں جبکہ 2001 میں 393 اور 2002ء میں 409 خواتین کو غیرت کے نام پر قتل کیا گیا۔ ان میں سے بیشتر کا تعلق درمیانے اور نچلے طبقے سے تھا۔

واقعات رونما ہوئے۔ پنجاب 409 بلوچستان میں 117 اور سرحد میں 112 واقعات رونما ہوئے۔

2002ء کو خواتین کے عالمی دن کے موقع پر صوبہ سرحد کے اس وقت کے گورنر لیفٹیننٹ جنرل (ر) محمد شفیق نے خواتین کے ایک وفد سے باتیں کرتے ہوئے کہا تھا کہ "غیرت کے نام پر ہونے والی ہلاکتوں کو غیر ضروری طور پر بڑھا چڑھا کر پیش کیا جاتا ہے۔ ہم اتنے برے لوگ نہیں ہیں کہ صرف اپنی خواتین کو قتل کرنے کے سوا کچھ نہیں کرتے۔ اگر پولیس کی طرف سے کوئی غفلت ہوتی ہے تو اس کے خلاف سخت قدم اٹھایا جاتا ہے لیکن کسی کو نشاندہی تو کرنی چاہیے۔ ہم بھی اس معاشرے کا حصہ ہیں۔ ہم "غیرت" کے نام پر خواتین کے قتل کی اجازت کس طرح دے سکتے ہیں؟" دوسری جانب صورت حال یہ ہے کہ نشاندہی ایک نہیں' غیرت کے نام پر کئی قتل کی ہوئی لیکن شاذ و نادر ہی مجرموں کو سزا ہوئی۔

ہیں۔ مثلاً زنا بالجبر کے کیس میں ججوں کے خیال میں خواتین کی مرضی شامل ہوتی ہے' کیونکہ وہ یہ بات نہیں سمجھ پاتے کہ جو خواتین زنا بالجبر کے خلاف مزاحمت کی سکت نہیں رکھتیں' ان کے عدم تحفظ میں اس حقیقت کو بھی دخل ہے کہ بہ مشکل دس فیصد زنا بالجبر کے مقدمات عدالتوں تک رسائی حاصل کر سکے۔" انہوں نے مزید نشاندہی کرتے ہوئے کہا کہ: "غیرت" کے نام پر قتل درحقیقت قتل عمد ہوتے ہیں اور قتل سے متعلق قانون عدالت کو یہ اختیار نہیں دیتا کہ وہ واقعاتی شہادتوں پر بھروسہ کریں۔

ایمنسٹی انٹرنیشنل کی ایک رپورٹ کے مطابق: "غیرت کے نام پر کی جانے والی ہلاکتوں کے مقدمات بہت کم زور ہوتے ہیں۔ قانون مجرم پر موثر مقدمہ چلانے اور سزا دلانے کے عمل کو یقینی نہیں بناتا۔ امریکہ

ہیں۔ مثلاً زنا بالجبر کے کیس میں ججوں کے خیال میں خواتین کی مرضی شامل ہوتی ہے' کیونکہ وہ یہ بات نہیں سمجھ پاتے کہ جو خواتین زنا بالجبر کے خلاف مزاحمت کی سکت نہیں رکھتیں' ان کے عدم تحفظ میں اس حقیقت کو بھی دخل ہے کہ بہ مشکل دس فیصد زنا بالجبر کے مقدمات عدالتوں تک رسائی حاصل کر سکے۔" انہوں نے مزید نشاندہی کرتے ہوئے کہا کہ: "غیرت" کے نام پر قتل درحقیقت قتل عمد ہوتے ہیں اور قتل سے متعلق قانون عدالت کو یہ اختیار نہیں دیتا کہ وہ واقعاتی شہادتوں پر بھروسہ کریں۔

ایمنسٹی انٹرنیشنل کی ایک رپورٹ کے مطابق: "غیرت کے نام پر کی جانے والی ہلاکتوں کے مقدمات بہت کم زور ہوتے ہیں۔ قانون مجرم پر موثر مقدمہ چلانے اور سزا دلانے کے عمل کو یقینی نہیں بناتا۔ امریکہ

المناک واقعات

اکیسویں صدی کے درمیانی دور میں کاروکاری کے ظلمت کے اندھیرے پورے ملک پر چھائے ہوئے تھے۔ ان اندھیروں میں اب پورا ملک ڈوب رہا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ کاروکاری کی لاشوں کی چیخ و پکار پورے ملک میں گونج رہی ہے۔ چاروں جانب کلہاڑیوں کی زد میں معصوم انسانوں کی گردنیں آئی ہوئی ہیں۔

چند سال قبل کی چند کہانیاں آپ کے گوش گزار کر رہے ہیں ان کہانیوں کی گونج چند ماہ تک سنائی دیتی ہے پھر ایسی خاموشی چھائی جیسے کچھ ہوا ہی نہیں تھا۔

☆ پشاور کی 29 سالہ سمیعہ سرور کی شادی اپنے چچازاد بھائی سے ہوئی تھی۔ وہ اپنے شوہر کی زیادتیوں اور نشے کی عادت کی وجہ سے اس سے طلاق چاہتی تھی۔ سمیعہ تعلیم یافتہ

فیچر

ہونے کیساتھ دو بچوں کی ماں تھی۔ اس کی ماں ڈاکٹر تھی جبکہ والد تاجر اور سرحد چیمبر آف کامرس کے صدر تھے۔ جب سمیعہ نے طلاق کی بات کی تو اس کے والدین نے مخالفت کی۔ جب سمیعہ کے والد حج پر گئے تو سمیعہ پشاور چھوڑ کر لاہور آ گئی۔ جہاں اس نے اپنے شوہر سے طلاق کیلئے AGNS سے رابطہ قائم کیا۔ (AGNS خواتین کی لاء فرم ہے جو گھریلو جھگڑوں میں خواتین کو امداد فراہم کرتی ہے) سمیعہ کو "دستک" میں پناہ دی گئی۔ "دستک" خواتین کی مدد کیلئے کام کرنیوالا ادارہ ہے۔ حج سے آنے کے بعد سمیعہ کے والدین نے اس سے ملنا چاہا۔ اس کے لیے وکیل حنا جیلانی سے رابطہ قائم کیا۔ سمیعہ نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ وہ اسے قتل کر دیں گے۔ مجبور کرنے پر وہ صرف والدہ سے ملنے پر رضامند ہوئی اور کہا کہ وہ حنا جیلانی اور عاصمہ جہانگیر کی موجودگی میں ملے گی جو اس کی وکلاء تھیں۔ مقررہ وقت پر AGNS کے آفس میں آئے چچا تو استقبالیہ میں رک گئے جبکہ والدہ ایک شخص کے ساتھ اندر داخل ہوئیں۔ والدہ نے بتایا کہ یہ شخص ان کا ڈرائیور ہے اور چلنے کے لیے اس کے سہارے کی ضرورت ہے۔ حنا جیلانی اس شخص کو باہر بیٹھ کر انتظار کرنے کا کہہ ہی رہی تھیں اور ان کا جملہ بھی مکمل نہیں ہوا تھا کہ اس شخص نے ریوالور نکالا اور سمیعہ پر دو فائر کیے جو موقع پر ہی ہلاک ہو گئی۔ اس نے تیسرا فائر حنا جیلانی پر کیا لیکن نشانہ چوک گیا۔ باہر نکلتے ہی قاتل نے پولیس گارڈ پر فائر کیا لیکن نشانہ خطا ہو گیا۔ جواب میں پولیس گارڈ نے اس پر گولی چلائی اور قاتل ہلاک ہو گیا۔ چچا نے آفس کی سینئر کارکن شاہ تاج قزلباش کو پکڑ کر بطور ڈھال استعمال کرتے ہوئے برآمدہ عبور کیا اور رکشہ کرائے پر لینے کے بعد تیزی سے اس ہوٹل کی طرف روانہ ہوئے جہاں سمیعہ کے والد ان کا انتظار کر رہے تھے۔ انہوں نے جلد شاہ تاج کو بھی واپس کر دیا جو واپس دفتر آ گئی۔ اس کے بعد سمیعہ کے والدین نے سمیعہ کے قتل کی ذمہ داری وکیل حنا جیلانی اور عاصمہ جہانگیر پر ڈال دی۔ سمیعہ کے والدین نے ملاؤں اور قبیلے کے سرداروں کے ساتھ مل کر جلوس نکالے۔ دونوں وکلاء کے سروں کا مطالبہ کیا۔ حتیٰ

بھتیجی کے اقبال اور اسلم سے ناجائز تعلقات ہیں۔ اس کی بیوی اور بھتیجی 20 جون 2001ء کو گھر سے فرار ہو گئیں جس پر مومن آباد تھانے کی پولیس نے اسلم، گلنار، اقبال اور زرینہ کو گرفتار کر لیا۔ جب گلنار اور زرینہ کو پیشی کے لیے کورٹ لایا جا رہا تھا تو ملزم وزیر احمد نے سٹی کورٹ کی سیڑھیوں پر ان دونوں پر فائرنگ شروع کر دی جسکے نتیجے میں 35 سالہ گلنار ہلاک ہو گئی جبکہ 28 سالہ زرینہ زخمی ہو گئی۔ ملزم وزیر احمد نے پولیس کو بتایا کہ زرینہ اور گلنار کے فرار اور پکڑے جانے کے بعد لوگ اسے بے غیرت ہونے کا طعنہ دیتے تھے۔ اس کی زندگی اجیرن ہو کر رہ گئی تھی۔ اس وجہ سے اس نے گلنار اور زرینہ پر فائرنگ کی تھی۔

☆ صوبہ پنجاب کے شہر منڈی بہاء الدین میں ریٹائرڈ سپاہی ریاض احمد نے 8 جنوری 2001ء کو اپنی بیوی اور تین بیٹیوں کو کلہاڑی مار کر قتل کر دیا۔ اسے اپنی بیوی پر بد چلنی کا شبہ تھا۔ ملزم کو کیا سزا ملی؟ کچھ پتہ نہیں۔

☆ ایمنسٹی انٹرنیشنل کی 2002ء کی رپورٹ کے مطابق جون 2001ء میں صوبہ سندھ کے ضلع ٹھٹھہ میں جتوئی قبیلے کے ایک جرگے نے نو ماہ پرانے تنازعے کا تصفیہ کیا۔ حنیف جتوئی اور اس کے بھائی نور محمد جتوئی نے محمد جمن جتوئی کے پالتو کتے کے بھونکنے پر غصے میں آ کر اسے قتل کر دیا تھا۔ جرگے نے قاتلوں کی دو چھوٹی لڑکیوں کو دوسرے فریق کو دینے کا فیصلہ کیا۔ ملزم حنیف جتوئی کی گیارہ سالہ بیٹی کی شادی مقتول محمد جمن جتوئی کے 46 سالہ باپ سے ہوئی۔ نور محمد جتوئی کی چھ سالہ بیٹی کی شادی مقتول کے آٹھ سالہ بھائی سے ہوئی۔ تاوان کے معاہدے کو تمام فریقوں نے قبول کیا۔ اس نقصان کا بدلہ دو بچیوں کی صورت میں ادا کیا گیا۔ آسان الفاظ میں "ایک پالتو کتا دو زندہ بچیوں کے برابر سمجھا گیا۔" اس معاہدے کی خبریں اخبارات میں شائع ہوئیں لیکن اس کے

4 دسمبر 2001ء کو شکار پور میں ایک ریلی نکالی گئی جو کہ غیرت کے نام پر قتل کرنے والوں کے خلاف تھی۔ اس میں پہلی مرتبہ خواتین نے شرکت کی۔

اقوام متحدہ کا عالمی معاہدہ (CEDAW) "عورتوں کے خلاف امتیازی سلوک کے خاتمے" سے متعلق ہے۔ پاکستان نے اس معاہدے پر دستخط کیے ہیں اور مختلف ادوار میں اس کے اصول و ضوابط کو پیش نظر رکھتے ہوئے عورتوں کے حقوق کی حفاظت کے لیے قوانین بنائے گئے لیکن ان کا مکمل اور اطمینان بخش طور پر نفاذ ممکن نہیں ہو سکا۔

مختلف ادوار میں حکومتی بیانات واقدامات

ایوب خان کے دور میں عزت کے نام پر قتل کے واقعات نہ ہونے کے برابر

سے لیا گیا ہے جو اسلام مخالف ہے۔ حکومت نے اپنے تمام تر وسائل کے ساتھ اس کے تدارک کا عہد کر رکھا ہے۔

ستمبر 2000ء میں سابق وزیر داخلہ جنرل (ر) معین الدین حیدر نے کہا تھا کہ "میں پولیس کو حکم دیتا ہوں کہ وہ "غیرت" کے نام پر کیے گئے جرائم کی ایف آئی آر درج کرے، چاہے قاتلوں کو جرگوں کی پشت پناہی کیوں نہ حاصل ہو، کیونکہ قانون میں جرگوں کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اس غیر اسلامی رسم کے خاتمے کے لیے قانون میں ترامیم کی جا رہی ہیں اور غیرت کے نام پر قتل کرنے کا ارتکاب کرنے والے کو پھانسی کی سزا دی جائے گی۔"

حکومت کے اس اقدام کے بعد امید تھی کہ غیرت

یہ مکروہ رسم بلوچستان میں نسل در نسل چلی آ رہی ہے

اکثر علاقوں میں عورت کو قتل کر کے ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا جا

افسوس اس بات کا ہے کہ ایک بدکار شوہر کی بیوی اسے کوئی سزا دینے

"چادر اور چار دیواری" کے نعرے نے خواتین کو غلامی کے دور کی طرف د

اس رسم کا شکار 3 برس کی لڑکی سے لے کر 80 برس کی بوڑھی عورت

گزشتہ تین برس میں صرف پنجاب میں 12 سو عورتوں کو غیرت کے نا

بعض علاقوں میں ملزم عورت کو ایک ڈیڑھ لاکھ روپے میں فروخت ک

مقتول کو غسل کفن دیا جاتا ہے نہ نماز جنازہ پڑھائی جاتی ہے

حکومت کو جرگہ سسٹم کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دینا چاہیے

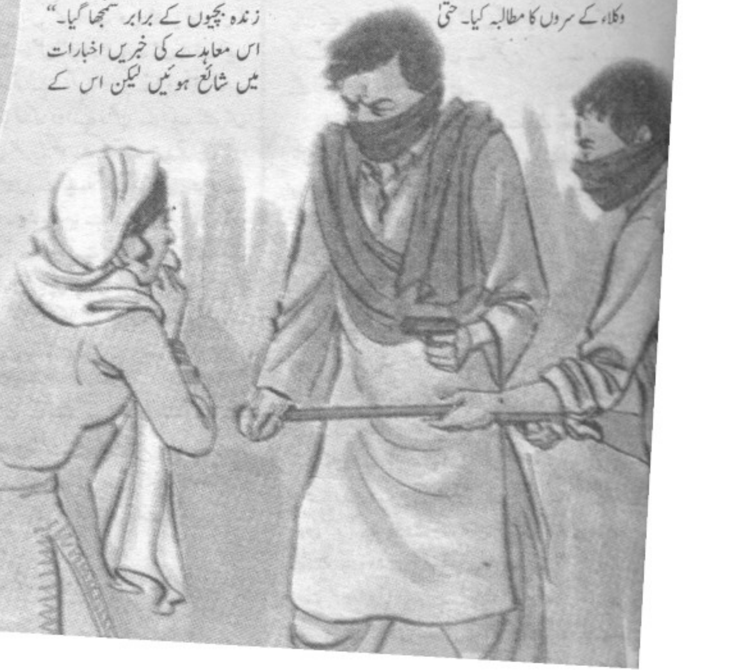

تھے۔ ذوالفقار علی بھٹو کے عوامی دور میں مزدوروں، کسانوں، طلباء اور دیگر شعبوں کے ساتھ ساتھ خواتین کے حقوق کی آواز کو

کے بعد کے عرصے میں مناسب سہولتیں مہیا کرنی چاہئیں جن میں ضرورت کے وقت مفت خدمات، حمل اور شیر خوارگی میں مناسب خوراک کی فراہمی شامل ہے۔

غیر سرکاری تنظیموں کا کردار

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے نمائندے ہر سال رونما ہونے والے کاروکاری کے واقعات تحقیقات کے ذریعے جمع کرتے ہیں۔ پھر اپنی سالانہ رپورٹ میں اس کو شائع کرتے ہیں۔ نیز مختلف اخبارات اور ان کے نمائندوں کو بھجوائی ہوئی رپورٹوں کو اپنے ماہانہ رسالہ "جہد حق" میں شائع کرتے ہیں۔ اسکے علاوہ "شرکت گاہ" نے کاروکاری کی بہیمانہ رسم پر تحقیق کی۔ اس تحقیق کا آغاز تین صوبوں میں کیا گیا۔ یعنی سندھ، پنجاب، سرحد اس کے علاوہ شرکت گاہ نے کاروکاری کے خلاف بہت سی کتابیں بھی شائع کیں۔ مثلاً "قتل کرنا غیرت نہیں"، "غیرت کا تاریخی پہلو" وغیرہ وغیرہ۔ اسکے ساتھ ساتھ ایمنسٹی انٹرنیشنل نے اپریل 2002ء میں "خواتین کے لیے ناکافی تحفظ" کے موضوع پر ایک کتاب شائع کی جس میں انہوں نے "غیرت کے نام پر قتل"، "قطرے سے دوچار خواتین"، "خواتین کے تحفظ کی ضرورت" اور "ریاست کا طرزِ عمل" پر تحقیقات کی ہیں۔ 1998ء میں ...

ہے

ر دیا جاتا ہے

ا دینے کی مجاز نہیں ہے

طرف دھکیلنے کی کوشش کی

ی عورت بھی ہے

ت کے نام پر قتل کیا گیا

روخت کر دیا جاتا ہے

تی ہے

اہیے

کہ پشاور ہائیکورٹ میں ان کے خلاف مقدمہ بھی درج کروالیا۔ حکمران پارٹی کے اراکین نے بھی اس سلسلے میں صوبہ سرحد کے سینیٹروں کا ساتھ دیا۔ یوں نہ صرف غیرت کے نام پر قتل کرنے والوں کو اپنی من مانی کا موقع ملا بلکہ انہیں اپنے کیے پر جوابدہ بھی نہ ہونا پڑا۔ سمیعہ کے قتل کے بعد اس واقعہ کیخلاف مختلف غیر سرکاری تنظیموں نے احتجاجی مظاہرے کیے۔ اس طرح سمیعہ کو اپریل 1999ء میں کاروکاری کی رسم کی بھینٹ چڑھادیا گیا۔

☆ محمد عمر مگسی کا تعلق شمال مغربی بلوچستان سے تھا۔ وہ کراچی میں اپنے خاندان کے ساتھ رہائش پذیر تھا۔ نومبر 2000ء میں اس نے اپنی گیارہ سالہ بیٹی فرزانہ کو کسی کے ساتھ تعلقات رکھنے کے شبے میں کلہاڑی مار کر قتل کردیا۔ جب اس کی بیوی اور نو سالہ بیٹی صابرہ نے مداخلت کی تو اس نے انہیں بھی قتل کردیا۔ اس کے بعد وہ پولیس کے سامنے پیش ہوگیا۔ پھر کیا ہوا؟ اس کا علم آج تک نہ ہوسکا ہے۔

☆ 2 اکتوبر 2000ء کو مقتولہ گلنار کے شوہر نے مومن آباد تھانے میں مقدمہ درج کرالیا کہ اس کی بیوی اور تدارک کے لیے کچھ نہیں کیا گیا۔

یہ قصے ہیں اور نہ ہی افسانے۔ ان کہانیوں میں شک کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ ایسی بہت سی جیتی جاگتی کہانیاں روز جنم لیتی ہیں۔ ان کے کرداروں کی پکار مہینوں گونجتی ہے مگر اب تک مرکزی کردار یعنی عورت کو انصاف نہ ملا نہ اس کا حق۔ اس نے ظلم کے خلاف آواز بلند کی تو کہا گیا "تماشا بنوا رہی ہیں" اس نے تحفظ کی بات کی تو کہا گیا "ناشکری ہے" اس نے غلط رسوم (قرآن سے شادی، کم عمری کی شادی، کاروکاری وغیرہ) کے خلاف احتجاج کیا تو کہا گیا "مغرب زدہ ہے" اس نے حقوق مانگے تو کہا گیا "جو مل رہا ہے اسے ہی غنیمت جانو" اس نے انصاف مانگا تو کہا گیا "ہوش کے ناخن لو" قانونی جنگ وہ لڑنا نہیں جانتی، سو خاموشی چھاگئی حالانکہ اسے اچھی طرح علم تھا کہ اس کے ساتھ امتیازی سلوک روا رکھا جارہا ہے۔

تھے۔ ذوالفقار علی بھٹو کے عوامی دور میں مزدوروں، کسانوں، طلباء اور دیگر شعبوں کے ساتھ ساتھ خواتین کے حقوق کی آواز بھی بلند تھی۔ اگرچہ انہوں نے خواتین کی بہتری کیلئے کوئی اقدام نہیں اٹھایا لیکن پھر بھی عزت کے نام پر قتل کے حادثات کی تعداد محدود تھی لیکن جب ضیاء الحق کے دور میں "چادر اور چاردیواری" کا نعرہ لگا تو ماضی کے عظیم ورثے کے نام پر خواتین کے حقوق کو غلامی کے دور کی طرف دھکیلنے کی کوششیں کی گئیں۔ اس کے ساتھ غیرت کا تصور بھی ابھارا گیا۔

صدر پاکستان جنرل پرویز مشرف کی حکومت نے پہلی بار یہ تسلیم کرتے ہوئے کہ پاکستان میں خواتین کو مراعات سے محروم رکھا گیا ہے اور ان کے ساتھ امتیاز برتا جاتا ہے، خواتین کے حقوق کے مناسب تحفظ کو یقینی بنانے کے لیے متعدد وعدے کیے تھے۔ ان پر کسی حد تک عملدرآمد بھی ہوا لیکن صورت حال میں خاص بہتری نظر نہیں آرہی۔

21 اپریل 2000ء کو اسلام آباد میں "حقوق انسانی اور شرف انسانی" کے موضوع پر منعقدہ کنونشن میں صدر پاکستان جنرل پرویز مشرف نے افتتاحی خطاب میں کہا تھا: "میری حکومت ایسی فضا قائم کرنے کی جان توڑ کوشش کرے گی، جس میں ہر پاکستانی اپنی زندگی آبرومندی اور آزادی سے گزار سکے۔ حکومت پاکستان کے نام نہاد "قتل برائے غیرت" کی بھرپور مذمت کرتی ہے۔ "غیرت" کے نام پر ہلاک کرنا "قتل" ہے اور اس پر اسی طرح کی کارروائی کی جائے گی۔ جولائی 2000ء کے ایک حکومتی اعلامئے کے مطابق: "ایسی ہلاکتوں میں کوئی چیز "قابل عزت نہیں ہے" یہ رواج قدیم قبائلی رسموں کے نام پر قتل ختم ہو جائیں گے لیکن ختم ہونا تو در کنار، تاحال ان میں کمی بھی نظر نہیں آرہی۔

پاکستان کے آئین کی شق نمبر 25، 1، 6 اور 12

آئین کی شق نمبر 25 کے تحت قانون کی نظر میں تمام شہری برابر ہیں اور انہیں مساوی طور پر قانونی تحفظ حاصل ہے۔ اس کے مطابق صنف کی بنیاد پر کوئی امتیاز یا تفریق نہیں برتی جائے گی۔ حکومتی سطح پر عورتوں اور بچوں کے تحفظ کے لیے خصوصی اقدامات میں کوئی رکاوٹ نہیں آنی چاہیے۔

شق نمبر 1 کے مطابق عورتوں کے خلاف امتیازی روّیے سے مراد سیاسی، معاشی، سماجی، ثقافتی، شہری یا کسی اور شعبے میں انسانی حقوق، بنیادی آزادی، عورتوں اور مردوں کی برابری کی بنیاد پر، ان کی ازدواجی حیثیت سے قطع نظر کسی بھی قسم کے امتیاز پر پابندی ہے جو عورت کی شناخت، تفریح یا حقوق کے استعمال کو نقصان پہنچائے یا کالعدم قرار دے۔

شق نمبر 6 کے مطابق حکومتوں کو کسی بھی مقصد کے لیے عورتوں کی تجارت، استحصال اور عصمت فروشی کو روکنے کے لیے تمام مناسب اقدامات اٹھانے چاہئیں۔

شق نمبر 12 کے تحت حکومتوں کو عورتوں اور مردوں کی برابری کی بنیاد پر طبی سہولتیں بشمول خاندانی منصوبہ بندی کی سہولتوں تک رسائی کے لیے مناسب اقدامات کرنے چاہئیں اور اس شعبے میں کسی بھی امتیازی روّیے کی روک تھام کی جانی چاہیے۔ علاوہ ازیں عورتوں کو حمل، زچگی اور پیدائش

"خواتین کے تحفظ کی ضرورت" اور "ریاست کا طرزِ عمل" پر تحقیقات کی ہیں۔ 1998ء میں نفیسہ شاہ، عطیہ داؤد اور معظم علی نے دیہی علاقوں میں جاکر تحقیقات کیں۔ پھر ایک کتاب "سندھ کی عورت" کے نام سے شائع ہوئی جس میں انہوں نے غیرت کے نام پر رونما ہونیوالے قتل کے واقعات قلم بند کیے۔ اسکے علاوہ بہت سی غیر سرکاری تنظیمیں اب بھی غیرت کے نام پر قتل کیخلاف کام کر رہی ہیں۔

تجاویز

اب وقت آچکا ہے کہ اس وحشیانہ رسم کو ہر حال میں ختم ہو جانا چاہیے۔ اس سلسلے میں "خبریں" کے توسط سے چند تجاویز دی جارہی ہیں۔ جن کی بنا پر اس رسم کو ختم کیا جاسکتا ہے۔

1- الیکٹرونک میڈیا اور پرنٹ میڈیا کے ذریعے لوگوں میں غیرت کے نام پر قتل کیخلاف شعور بیدار کیا جائے۔
2- لوگوں کو اس بارے میں آگاہی دینا کہ کاروکاری کی رسم کا مذہب سے کوئی تعلق نہیں، یہ غیر مذہبی رسم ہے۔
3- کاروکاری کیخلاف حکومت سخت سے سخت قوانین بنائے اور اس میں کسی بھی طرح کی رعایت نہ دے۔
4- تمام صوبوں میں مذہبی اور دنیاوی تعلیم پر زور دیا جائے کیونکہ بغیر تعلیم کے لوگوں میں شعور پیدا نہیں ہوگا اور بغیر تعلیم خواتین کو بھی اپنے حقوق کی آگاہی نہیں ہوگی۔
5- حکومت کو چاہیے کہ غیرت کے نام پر قتل کو قتل ہی سمجھے اور قاتل کو بروقت اور عبرتناک سزا دے۔
6- حکومت کو جرگہ سسٹم کا خاتمہ کرنا چاہیے۔
7- ہر قبائلی علاقے میں ایک ویمن پولیس اسٹیشن ہونا چاہیے تاکہ عورتوں کے حقوق ان کو مل سکیں۔ ☆